تحریکِ تشیّع و تصوّف

ماخوذ از: مذہبِ شیعہ ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت

الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

تحریکِ تشیّع و تصوّف

ماخوذ از: **مذہبِ شیعہ ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت**

الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کریم کی رُو سے اسلام اُس ضابطے کا نام ہے جو اس پوری کائنات میں نافذ العمل ہے۔ یہاں کی ہر چیز مُسلِم ہے۔ انسان صاحب عقل وارادہ مخلوق ہونے کی بنا پر آزاد ہے۔ خواہ اسلام پر عمل کرے یا اس کے قوانین کی خلاف ورزی کرے۔ صاحب عقل وارادہ مخلوق کے علاوہ باقی تمام مخلوقات اپنے وجود واعمال میں صاحب اختیار نہیں۔ لہٰذا وہ اپنے مقصد تخلیق کو انجام دینے پر ماموروبجبور ہیں۔

اُس کائناتی ضابطہ کو بتدریج اور بالاقساط انبیاء علیہم السلام کی معرفت بنی نوع انسان تک پہنچایا گیا۔ اور جس کی مکمل صورت کا نام قرآن رکھا گیا۔ اس قانون کا منشا اور مقصد یہ ہے کہ انسان لامحدود قدرتیں اور لازوال حیات حاصل کرے اور ایسا کرنے میں وہ پوری کائنات سے استفادہ کرے اور اس سلسلے میں ساری کائنات اُس کی تائید کرنے پر مامُور اور آمادہ ہے۔

مگر یہی ضابطہ (مذہب اسلام) نہایت مشکل اور نازک ادوار سے گزرا، اندرونی وبیرونی خلفشار اور تخریب کاریوں سے دوچار رہا، لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو اسلام ہی کے نام پر شہید کیا گیا۔ لاکھوں کتبہائے اسلامی وتواریخ کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اسلام کی اوّلین قسط سے لے کر رسوؐل خاتم النبیینؐ تک، شیطان اور شیطانی قوتوں کے خلاف اسلام کی بقا اور خطرناک حالات سے محفوظ رکھنے کے لئے اور خالص مومنوں کو

الگ کرنے کے لئے ایک تحریک/نظام قائم کیا گیا تھا۔ اس تحریک نے اپنا کام ہر رسوؐل کے زمانے میں جاری رکھا۔ یہی وہ تحریک ہے جو جان ہتھیلی پر رکھ کر، موت کو زندگی سمجھ کر تطہیرِ اسلام کرتی رہی اور ایسے ایسے لوگ پیدا کئے جو اسلام کے نام پر اپنی جان، اپنے اموال اور اپنے بچے مسکرا مسکرا کر قربان کرتے رہے۔ یہی قدیم تحریک وہ عالم گیر قوت و مذہب و مسلک ہے جس کا نام ''تحریک تشیّع'' ہے۔ جس کا مختصر ذکر آنے والے صفحات میں کیا جائے گا مگر اس سے پہلے مختصراً یہ ملاحظہ کرنا ضروری ہے کہ اس تحریک نے کن حالات اور عوامل کی بنا پر جنم لیا۔

جب مذہبِ اسلام ختمِ نبوؐت کے بعد اماؐمت کے مضبوط ہاتھوں میں سونپ دیا گیا تو آئمہ اہل بیتؑ نے اسلام کو حقیقی صورت اور بنیادی اصولوں پر استوار رکھنے کے لئے قیامت تک، قیامت خیز لازوال قربانیوں کا پروگرام طے فرمایا۔ تحریک تشیّع اسی پروگرام کا حصہ ہے اور سید الشھدؑاء امام عالی مقام مولا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام، شھدائے کربلا وانصارانِ حسینؑ کے خون سے سینچی ہوئی اور سید الساجدین مولا امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام، اُم المصائب ثانیٔ زہراؑ حضرت سیدہ حجاب اللہ زینب سلام اللہ علیھا اور اسیرانِ کربلؑا کی دعاؤں کے صدقہ میں یہ تحریک سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اپنی اصل حالت میں موجود چلی آرہی ہے اور احیائے اسلام کے لئے تاریخ کے ہر مشکل اور نازک دَور میں بھی تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے سرکارِ

قائم آلِ محمدؐ کی سرپرستی میں بطریقِ احسن گزر رہی ہے۔ صلٰوۃ اللّٰہ علٰی الحسؑین وعلیؑ ابن الحسؑین و اولاد الحسؑین، واصحاب الحسؑین ،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍؐ وَّآلِ مُحَمَّدؐ

جس تیز رفتاری اور تسلسل کے ساتھ ساتھ تعلیمات الٰہیہ تکمیل کی منزل کی طرف بڑھ رہی تھیں ۔ اُسی طرح ابلیس بھی اپنے نظام اجتہاد کو نقطۂ عروج کی طرف لارہا تھا اور جس طرح تمام تعلیمات خداوندی سمٹ کر آنحضرؐت کے بے مثل وجود کی طرف بڑھ رہی تھیں ۔ بالکل اُسی انداز سے ابلیس کا تجربہ اور عمر بھر کی محنت ایک ایسے وجود کی تیاری میں مصروف تھی جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدّ مقابل بن سکے۔ جس نے پوری شدت سے قرآن کریم اور رسوؐل کریم کو بے دخل کردیا۔ اس ابلیسی بصیرت پرمبنی نظام نے رسوؐل پاک کی بشریت کو آڑ بنا کر رسوؐل کے ذاتی احکام کو دانشورانِ قوم کی صوابدید کے ماتحت کردیا۔ نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ مفہومِ قرآن کو نام نہاد مفادِ عامہ، ذاتی وقومی وملکی مصلحت اور تقاضائے وقت پر فٹ کیا جارہا تھا۔ لہٰذا اسلام کی سرسری اور سطحی معلومات رکھنے والی اکثریت بڑی تیزی کے ساتھ نظامِ اجتہاد کے ماتحت چلی گئی اور رفتہ رفتہ کثرت اور قوت، مجتہدین کے گروہ کے ساتھ ملحق ہوتی چلی گئی اور کثرت ایک اسلامی حقیقت بن گئی ، کثرت کے ساتھ رہنا لازم وواجب ہوگیا، کثرت جس کے ساتھ ہو یا جو کثرت کے ساتھ ہو وہ اللہ کے نزدیک حق پر سمجھا گیا۔

اُس کے مخالف لوگ تمام گمراہ اور اہل باطل کہلائے۔ یہ حادثہ صرف خاتم النبیینؐ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام انبیا علیہم السلام کے ساتھ پیش آتا رہا ہے (25/31-32) یہی اور صرف یہ ایک ہی سبب تھا کہ کربلا میں گنتی کے چند مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آیا اور اس قلیل جماعت کو باغی اور واجب القتل سمجھا گیا

نظامِ اجتہاد نے حضورؐ خاتم النبیین سے اقتدار و حکومت میں برابر کا حصہ اور شرکت چاہی اور اسی طرزِ حکومت اور اقتدار کا اظہار کیا جاتا ہے جو اللہ نے قرآن میں آیت 2/204 میں ریکارڈ کر دیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکیم دنیا میں ایسی طرز حکومت سے متعلق ہے۔ جس میں اس قوم کی پوری اجتماعی مزاحمت کا نمائندہ آنحضرتؐ کے دین کو ساری دنیا میں نافذ کر دینے کا ذِمہ لیتا ہے۔ اور اُس طرزِ حکومت کو عین منشائے خداوندی کے مطابق ہونے پر خود اللہ کو بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ تاکہ اللہ کے رسولؐ کا اطمینان ہو جائے اور وہ جنابؐ اُس طرزِ حکومت اور تنفیذِ دین کو اختیار کر لیں اور نتیجتاً اُس ماہر عمرانیات وسیاسیات اور مذہبیات کو آئندہ کے لئے سربراہی سونپ دیں۔

اس طرزِ حکومت کے نتائج اگلی آیت 2/205 میں بیان فرما دیئے ہیں اس آیت میں اعلائے کلمہ حق کی آڑ میں ساری دنیا میں فساد پھیلا دینا قرار دیا گیا۔ اُس کی تبلیغِ دین کو فوج کشی کی یلغار سے نسل انسانی کی تباہی وقتل وغارت لوٹ مار اور فصلوں

اور کھیتوں کے اُجڑنے کا سبب بتایا گیا۔اور رسوؐل کو بتایا گیا کہ اللہ اس طرزِ حکومت کو مبنی بر فساد ہونے کی بنا پر نا پسند کرتا ہے۔

بالآخر وہ تصوراتی حکومت برسر شہود آ گئی ۔مندرجہ بالا آیت کے الفاظ گواہ ہیں اور تاریخ پکار کر تصدیق کر رہی ہے۔چشمِ بینا اُن تمام خونین اور روح فرسا نظاروں کو دیکھ سکتی ہے جو فضاؤں اور مُصوّرانِ نامۂ اعمال نے اپنے دفتروں میں محفوظ رکھے ہیں ۔گوشِ شنوا تلواروں کی جھنکاروں ، تیروں کی لرزش، گھوڑوں کی ٹاپوں ، مرنے والوں کی چیخوں کو سُن رہے ہیں ۔آہ وزاری ونالہ وفریاد اور بے کسوں کا واویلا آسمانوں میں گونج رہا ہے۔دنیا فساد سے لبریز کردی گئی ہے۔خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں ۔قافلے پناہ کی تلاش میں بھوکے پیاسے سرگرمِ سفر ہیں ۔لوگ جلاوطنی اختیار کررہے ہیں۔گرفتاریوں اورعقوبتوں سے بچنے کے لئے پھٹے پرانے کپڑے پہنے جارہے ہیں۔بہروپ بدلے جارہے ہیں ۔اللہ اکبر کے نعروں میں،قرآن گلوں میں لٹکائے قتل وغارت گری، بربادی وتباہی، ہلاکت وخونریزی، جوروظلم،ستم واستبداد کے خونی مناظر ایک ایک کرکے سامنے آجاتے ہیں، مسلمانوں کی تلوار سے بچنے کے لئے غیر مسلموں کی پناہ لینے کے لئے ہزار ہزار میل کا سفر طے کیا جارہا ہے۔بچے ماں باپ کو ڈھونڈ رہے ہیں شوہر کو زوجہ کا پتہ نہیں ہے اور یہ سب کچھ اللہ، رسوؐل اور اسلام کے نام پر ہوا۔اس طرزِ فکر سے اختلاف رکھنے والے مسلمانوں کو مرتد ،ملحد وکافر ومشرک

قرار دیا جانا قدرتی تھا۔ اِس دار و گیر کے عالم میں لوگوں نے اپنا وطن چھوڑا اور جس کا جس ملک کی طرف جانا ممکن تھا چلا گیا۔ اور اس ظلم وستم نے اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی۔ یعنی ظالموں نے اپنے مخالف مظلوموں کو مجبور کیا کہ وہ ساری دُنیا میں پھیل جائیں۔ اور اُن مظالم کی کہانی غیر اقوام اور غیر مسلموں میں سُنا سُنا کر، رحم وانصاف کی اپیل کے ساتھ اپنے مسلک و مذہب کی تبلیغ کریں، ظالموں کے خلاف محاذ بنائیں، اسلام کی وہ تعبیرات وتعلیمات پیش کریں، جن کی بِنا پر اُن کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ عرب کے اُن جدید بتوں کا کھل کر نام لے کر حال بیان کریں جن کی عزت وعظمت کو محفوظ رکھنے کے لئے خاندانِ رسوؐل کو تہہ تیغ کیا گیا۔ ہر بولنے والی زبان کھینچ لی گئی، ہر بلند سر قلم کر کے نیزوں پر چڑھا دیا گیا، محلے کے محلے اور آبادیاں جلا دی گئیں۔ لوگوں کو اپنا دین و مذہب محفوظ رکھنے کیلئے پوشیدہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ دفتروں اور محکموں سے ملازمتوں اور بازاروں سے تجارت اور روزگاروں سے بے دخل اور محروم ہو جانے کے بعد اُن لوگوں کو تنہائیوں میں سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ چھپ چھپا کر نظر بچا کر اپنے باقی ماندہ راہنماؤں سے اپنی مشکلات کا حل تجویز کرانا پڑا۔ یوں ملک میں محصور رہ جانے والے لوگوں نے اس ظلم واستبداد سے نپٹنے کی راہیں نکالیں اور یوں فطری طور پر اندرونِ ملک اور دنیا کے دوسرے ممالک میں تحریک تشیّع نے معصوؐم راہنمائی پر عمل شروع کیا اور چار دانگ عالم میں اُن

کی کامیاب جدو جہد پھیلتی چلی گئی۔ یہ شہرہ تھا جس سے گھبرا کر حسب موقعہ وگنجائش اُن تمام ممالک پر دھاوا بولا گیا۔ جہاں جہاں یہ تحریک برسر کار تھی اور اُسے کچلنے کے جنون میں نہ صرف قوت ودولت استعمال کی گئی بلکہ دین فروشی ، دغابازی، بدعہدی، وعدہ خلافی، غداری،فریب سازی، دروغ بافی، تہمت والزام تراشی ،نفرت انگیزی کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا، اورایسی ایسی کمینہ الزام تراشیاں کیں کہ آج اس روشن دور میں بھی بعض جُہلا کے مُنہ سے سُنی جاتی ہیں۔

قارئین یہ سمجھ لیں کہ اس طرزِ حکومت اور مقتدر لوگوں کا متفقہ اور مسلّمہ عقیدہ یہ تھا کہ مدعی خلافت کی مخالفت حرام ہے۔ ہر انسان کا ہر فعل خدا کا فعل ہوتا جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔اور اُمت کی بہتری ،اُمت کی مصلحت،اُمت کی یک جہتی و اتفاق یہاں تک کہ مفادِ عامہ، ذاتی وقومی وملکی مصلحت اور تقاضائے وقت وہ عظیم ترین مقاصد قرار پاگئے جس کو سامنے رکھ کر ہر وہ چیز جائز کرلی گئی جو قرآن وحدیث اور عرفِ عام وعقل کی رُو سے حرام اور مذموم ہے۔آج بھی مفادِ عامہ اور اتحادِ ملت کسی کام کے مجاز ہونے کا سب سے بڑا جواز ہے۔اس طرزِ فکر وعمل نے جس قسم کے مومن ومسلمان پیدا کیے ان کی شناخت درج ذیل ہے۔

1۔ کہ وہ ساری عمر میں ایک دفعہ حج کرلے بشرطیکہ حج کی تمام شرائط پوری ہوچکیں۔

2۔ ہر سال، سال میں ایک دفعہ روزے رکھ لے یا رمضان کا احترام کرلے۔

3۔ اور سرمایہ دار ہو تو سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ نکال دے۔

4۔ اور روزانہ نماز پڑھتا رہے۔

یہ آخری چیز ہی دراصل وہ چیز ہے جس کی پُرسش ہوگی۔ اذان اور نماز ہی درحقیقت مسلمان کی پہچان ہیں۔ باقی تمام چیزیں تو مشروط ہیں۔ دل کا حال خدا جانے۔ دیکھنے اور دکھانے کی اسلامی چیزیں تو نماز اور مخالفین سے مسلسل جہاد ہیں۔ لہٰذا نماز اور تلوار جاری رہے۔ اُن میں جتنی شدّت ہو، جتنی گرمی ہو، جتنی تیزی ہو، جتنا شغف ہو، اُتنا ہی ایمان دار رہے۔ دل میں کیا ہے؟ تمہیں اس سے کیا؟ باقی اعمال کیا ہیں؟ کیسے ہیں؟ یہ وہی ہیں جو اللہ کے حکم سے کرتا ہے۔ تمہیں اللہ کے حکم میں دخل دینے کا حق نہیں تم تو ایمان دیکھو۔ یعنی نماز کی پابندی پر نظر رکھو۔ جمعہ جماعت میں پابندی سے شمولیت ایمان کی، اسلام کی شناخت ہے۔ ایمان سلامت ہے تو گناہ نقصان نہیں دیتا۔ اور جب جنت و جہنم خدا کے اختیار میں ہے۔ جب نیک اعمال سے خدا جنت میں بھیجنے پر مجبور نہیں۔ جب بداعمالی اُسے جنت عطا کرنے سے نہیں روک سکتی تو ایصال ثواب، فاتحہ درود، نذر و نیاز، پیری مریدی، شفاعتِ رسوؐل یا سفارش بزرگان، مرقد و مزار، عرس و تہوار کب اور کس کام آئیں گے۔ اللہ کو ان چیزوں سے مجبور کرنا شرک ہے، بدعت ہے، کرنے کا کام یہ ہے کہ نماز پڑھو اور جماعت کے ساتھ رہو۔ جو اس نمازی جماعت کے خلاف اُٹھے اسے بٹھانے، مٹانے اور اس کی

نسل کو ختم کرنے کا حتیٰ الامکان انتظام کرو، یہ کام کرنے میں اللہ کی تلوار اور نماز تمہاری مددگار ہیں۔ لہٰذا سیف اللہ اور صلاۃ اللہ ہی اسلام کی اور مسلمانوں کی شناخت ہیں۔

☆☆☆☆☆

تحریکِ تشیّع

قارئین پہلے یہ دیکھیں کہ لفظ شیعہ کے حقیقی (مصدری) معنی کیا ہیں۔

''شیعہ'' کے مصدری معنی ''شائع کرنے والا'' یا ''اشاعت کرنے والا'' ہیں۔

یعنی جو شخص جس مکتبِ فکر و نظام کی اشاعت کرے یا اظہار کرے اور پھیلائے وہ اُسی مکتبِ فکر و نظام کا شیعہ کہلائے گا۔ مثلاً جو لوگ الٰہی نظام یعنی مولا علیؑ کے فکر و عمل کی اشاعت کریں گے وہ شیعیانِ علیؑ (محمدؐ و آلِ محمدؐ) کہلائیں گے اور اسی طرح جو لوگ ابلیس کے طرزِ فکر و عمل کی اشاعت میں دن رات ایک کر دیں گے وہ شیعیانِ ابلیس کہلائیں گے۔ یعنی ''شیعہ'' ایک ایسا لفظ ہے جو کہ ہر مکتبِ فکر پر لاگو ہے اور جس فکر و عمل کی وہ شخص اشاعت کر رہا ہے وہ اسی کا شیعہ کہلائے گا۔ اب آپ اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو شیعیانِ علی صلوٰۃ اللہ علیہ اور شیعیانِ معاویہ ملیں گے اور ہر مسلمان اور تمام تواریخ اس پر متفق بھی ہیں۔ مگر نظامِ اجتہاد نے زبردست اجتہاد کر کے اپنا نام شیعیانِ معاویہ سے بدل کر ایک نئے نام سے اپنا کام جاری رکھا۔

لفظِ شیعہ قرآن کی نظر میں:

بالکل ایسے ہی جیسے کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام کا شیعہ کہا ہے (37/83)۔اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شیعوں کا تذکرہ ،یا پھر فرعون و نمرود کے شیعہ ہونا اس بات کی دلالت ہیں کہ فقط لفظ ''شیعہ'' اپنے اندر مکمل معنویت نہیں رکھتا جب تک کہ ساتھ یہ نہ بتایا جائے کہ ''کس کا شیعہ'' علیؑ کا شیعہ یا علیؑ کے مخالفین کا شیعہ۔اور اسی طرح اسلامی اصطلاح میں لفظ شیعہ کے معنی وہ جو مقاصدِ اسلام کا تحفظ واشاعت کرے۔

قرآن کریم اور تاریخ دونوں گواہ ہیں کہ نزولِ قرآن سے لے کر وفاتِ رسوؐل تک مسلمانوں میں منافق برابر موجود رہتے چلے گئے۔پھر مسلمانوں میں وہ لوگ بھی تھے جن کو مومن کہہ کر بتایا گیا کہ اُن مومنین میں کوئی ایسا نہ تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، جو رسوؐل کو مانتا ہو، جو قرآن اور سابقہ الہامی کتابوں پر ایمان لایا ہو۔ان کو تاکید کی گئی کہ اے مومنین اللہ و رسوؐل اور کتب الٰہیّہ پر ایمان لاؤ (4/136)۔مسلمانوں میں وہ جماعت بھی آخر تک رہی جن کی خصوصیت یہ بتائی کہ وہ ایسے مومنین ہیں کہ اللہ اور رسولؐ میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ اور ایک درمیانی مذہب نکال رہے ہیں (4/150)۔جنہیں رسوؐل کی بات من وعن غیر مشروط طور پر قبول نہیں ہے۔قرآن نے ایسے مومنین کا وجود بھی بتایا جو اللہ و رسوؐل سے خیانت کرتے تھے (8/27)۔

یعنی احکام خدااوررسوؐل کو جُوں کا تُوں امانت داری کے بجائے اُن احکام میں کتر بیونت اور ذاتی اصلاح سے خیانت کر کے عمل کرتے تھے۔ وہ لوگ بھی مسلمانوں میں تھے جن کو سود لینے سے بار بار روکا گیا اور آخر خدا اور رسوؐل سے جنگ کرنے پر چیلنج کیا گیا (2/278-279) وہ مومن بھی تھے جو رسوؐل کے ساتھ اقتدار وحکومت میں برابر کا حصہ اور شرکت چاہتے تھے (3/154)۔ وہ مومنین بھی تھے جو اپنے تنازعات کے فیصلے رسوؐل اللہ سے کرانے کے بجائے کسی طاغوت کے پاس لے جایا کرتے تھے (4/60)۔ اس صورت کو دیکھ کر اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ بدترین صورتِ حال ہے جو اللہ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا اللہ پر لازم ہو گیا ہے کہ:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌO (3/179)

(1) مسلمانوں کو اس حالت پر نہ چھوڑ دے جس پر وہ اُس وقت مخلوط چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ ناپاک قسم کے مومنین کو پاک قسم کے مومنین کے ساتھ مِلا جُلا اور مخلوط الحال نہ چھوڑے گا۔ دونوں جماعتوں کو الگ الگ کرے گا۔ ساتھ ہی تمہیں اپنے پوشیدہ علم اور طریقِ کار پر مطلع کرنا بھی اللہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اِس کام کے لئے وہ اپنے رسولوںؑ میں سے بھی بعض کو منتخب کرتا ہے۔ اور اُنہیں اپنے علمِ غیب پر مطلع

کردیتا ہے۔لہٰذا تم اس پر ایمان لاؤ کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی اس خفیہ تطہیر کا انتظام کریں گے اورحق و باطل جدا جدا ہوکر مشخص ہوجائیں گے۔اگر تم نے ایمان اور تقویٰ اختیار کرکے رسولؐ اللہ کی تطہیر قومی میں مدد کی تو تمہیں اجر عظیم ملے گا (3/179،سورہ آل عمرانؑ)۔

(2) اب سوال یہ ہے کہ ناپاک مسلمانوں سے پاک مسلمانوں کو الگ کرنے کا وعدہ کس طرح پورا کیا گیا؟ پورا کیا بھی گیا یا نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ کوئی ایسا واقعہ، طریق کار یا عملدرآمد کہیں نہیں ملتا۔جس کو جواب میں پیش کردیا جائے۔یہ تو ملتا ہے کہ منافق موجود تھے۔لیکن اُن کو عوام سے روشناس نہ کرانا ثابت ہے۔اس قسم کے سینکڑوں راز موجود تھے،جن سے مخصوصین کے علاوہ کوئی واقف نہ تھا۔قرآن کریم میں حروفِ مقطعات الٓمّٓ۔الٓرٰ۔نٓ۔طٰہٰ۔کٓھٰیٰعٓصٓ۔وغیرہ سربستہ راز ہیں۔قرآن کی تنزیل وترتیل وتلاوت وغیرہ کو پوشیدہ رکھنا جس غرض سے ضروری تھا وہ یہ تھی کہ قرآن میں لفظی تحریف نہ ہوسکے۔بالکل اسی طرح مسلمانوں کی تطہیر بھی صیغہ راز میں اور علم غیب کے پردوں میں اس لئے رکھی گئی کہ مجتہدین حفظ ماتقدم نہ کرسکیں اور رفتہ رفتہ اُن کا خودساختہ مذہب پِٹ کررہ جائے۔اُن کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے نقاب خود اپنے ہاتھ سے اُلٹ دیں۔دشمنانِ اسلام اپنی دوستی کا پردہ ہٹا کر سامنے آجائیں اور پکار کر کہہ دیں کہ ہم اور ہمارے بزرگ دشمنانِ اسلام تھے۔

چنانچہ جس مومن جماعت کا ہم نے تذکرہ کیا ہے وہ اس لئے قابل تعریف ہے کہ اُس نے صاف گوئی کی جرأت کی ہے۔اور جن لوگوں کے نام تک سے اظہار بے زاری کیا جاتا تھا اُنہوں نے اُن کو اور اُن کے مسلک کو عین اسلام قرار دیا ہے اور اُن کو اپنا بزرگ تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ خالص مومنوں کو الگ کرنے کے لئے جو نظام قائم کیا گیا تھا اُس نے اپنا کام ہر رسوؐل کے زمانہ میں جاری رکھا۔ اُسی کا نام تحریک تشیّع ہے، وہی عالم گیر قوت ہے۔اور وہی وہ مسلک و مذہب ہے جس نے ہتھیلی پر سر رکھ کر، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، موت کو زندگی سمجھ کر اُس تطہیرِ اسلام کا ذمہ لیا۔اور اُسی انبار وہجوم واژدھام میں سے ایسے لوگ انتخاب کیے جنہوں نے اسلام کے نام پر اپنی جان، اپنے اموال، اپنے بچے مسکرا مسکرا کر قربان کیے۔اور مذکورہ قسم کے خود ساختہ مذہب کے خلاف اعلانیہ اور پوشیدہ محاذ بنائے۔ ہر ایک محاذ آگے بڑھا، بڑھتا ہی گیا۔ جان پر کھیل کھیل کر سیاسی راہنماؤں کا بنایا ہوا سارا کھیل بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور اُن تمام اسلامی عقائد وتصورات کو رفتہ رفتہ بتدریج شائع کر کے پبلک میں پھیلا دیا جن کو سیاسی ماہرین اپنے اجتہادی اسلام میں غائب کرلینا چاہتے تھے۔

اسلامی تشیّع کی قدامت:

اسلام کو خطرناک حالات سے محفوظ رکھنے کے لئے مجتہدین کے خلاف ایک ایسا محاذ قائم کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے اقدام مجتہدین سے پوشیدہ رہیں۔ لہٰذا مجتہدین کو غافل رکھنے کے لئے قرآن کریم نے تحریکِ تشیّع کی تفصیلات کو منجمد صورت میں رکھا ہے۔ اس کے باوجود تحریک کا نام اور بنیادی مقاصد کے ساتھ ساتھ اولین اور وسطی سربراہِ اسلام کو شیعہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اُن کی اُمت کے لیڈروں نے مجبور و بے بس کر دیا تھا۔ اور اُنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے اللہ سے براہ راست دخل دینے کی دعا کی تھی۔ یہی وہ دن تھا جس روز تحریک تشیّع کا اہتمام کیا گیا اور ناپاک نسلوں کو تباہ کر کے پاک نسلوں کی ابتدا کا انتظام ہوا۔ اور اللہ نے مومنین کو ناپاک مومنین سے الگ کیا (3/179)۔ یہاں سے مومنین کی تطہیر کی ابتدا ہوئی۔ اور جب جناب ابراہیم علیہ السلام پر ایسا ہی زمانہ آیا کہ ایک طرف نمرود کی قوتِ قاہرہ اور دوسری طرف یکہ وتنہا اللہ کا رسولؑ اس حالت سے کامیاب گزرے اور اسلام کو محفوظ رکھ کر آگے بڑھانے کی وجہ سے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو جناب نوح علیہ السلام کی اتباع کرنے والا اور اُن کے مِشن کی اشاعت کرنے والا یعنی شیعہ قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:۔

سَلٰمٌ عَلٰی نُوحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ O اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ O

اِنَّہٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ O ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ O وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِہٖ لَاِبۡرٰھِیۡمَ O اِذۡ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ O(37/79-84)

''اس کائنات میں نوحؑ کے مشن پر سلام وسلامتی جاری رہے۔حُسنِ انتظام پر ہم اُسی طرح پُریقین جزا دیا کرتے ہیں ۔یقیناً نوحؑ ہمارے مخصوص مومن بندوں میں سے ہے۔ہم نے اُس کے مدِّ مقابل دوسرے گروہ کوڈبو دیا تھااور جناب ابراہیمؑ اُس وقت حضرت نوحؑ کے یقینی اورضروری شیعوں میں تھے۔جس وقت ابراہیمؑ نے اپنے پروردگار کی طرف قلب سلیم سے رجوع کیا تھا(37/79-84)۔

قارئین کرام یادکریں کہ جس طرح قومِ نوحؑ وقومِ ابراہیمؑ نے بغاوت کی تھی۔بالکل اسی طرح بلکہ زیادہ ترقی یافتہ اورزیادہ منظّم بغاوت آنحضرؐت کی قوم نے قرآن کومھجورکرکے کی تھی۔لہٰذا ضروری تھا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں حضرت نوحؑ کے شیعہ ہوں اورقوم کے بالمقابل ایک ایسا محاذ بنادیں جس کا راہنمایانِ قوم کو پتہ نہ چلے اوروہ اپنی لاعلمی کی تلوار سے اپنے گلے کاٹ لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پربھی ایک ایسا نازک وقت آنے والا تھا۔جس سے محفوظ رہنااورپھرآزادیِ بنی اسرائیل کاانتظام کرناضروری تھا۔چنانچہ قرآن سے اُن کے نظامِ تشیّع کا پتہ بھی چلتا ہے۔اورنازک مواقع پرسربراہِ نظام سے مدد لینےاوراُن کو

دشمنانِ دین کے خفیہ منصوبوں سے مطلع کرنے کی تفصیل ملتی ہے۔ چنانچہ سورہ القصص میں یہ بھی قصہ بیان کردیا گیا ہے(28/14-21)

''اصحابِ صُفّہ وتصوّف''

مسلمان حکومتوں نے اپنے کھلے اور سامنے آنے والے مخالفوں کو بے دریغ قتل کیا۔ حسب موقعہ اُن پر کفر وارتداد والحاد وشرک وبدعت کے فتاویٰ جاری کیئے ملک میں اور بیرونِ ملک بھی اُن کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس ہنگامہ ٔ دارو گیر میں کچھ لوگ جلاوطن ہوئے اور اپنے مسلک کو دُور دراز ملکوں میں پھیلانا شروع کیا۔ کچھ لوگ خاموش ہوگئے اور حکومتوں سے تعاون کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کا تحفظ جاری رکھنے کے لئے راہیں نکالیں ۔ کچھ لوگ مسلسل تیغ بکف رہے اور سلسلۂ شہادت وقربانی جاری رکھا۔ کچھ لوگوں نے نہایت خاموشی سے اسلامی ریکارڈ کا تحفظ اور اشاعت شروع کی تاکہ تعلیماتِ اسلام جس طرح ہوسکے محفوظ رہیں۔ الغرض شیعانِ اسلام مختلف شعبوں میں تقسیم ہوگئے۔ اور ہر شیعہ کا اوّلین فرض یہ قرار پایا کہ جس طرح ہوسکے خودساختہ مذہب اور اُس کی مذکورہ نماز اور تلوار کو توڑا جائے اور ظاہر ہے کہ ان خطرناک اور جان لیوا حالات میں وہی شخص اُن شعبوں میں داخل کیا جاسکتا تھا جسے اسلام کی تنفیذ کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز پیاری نہ ہو۔ ایسے جان فروش لوگوں کی تلاش اور تیاری کے لئے ایک نہایت اہم مخصوص اور موزوں شعبہ کا قیام عمل میں آیا۔

اِس شعبہ کی اَوّلین راہنمائی اوراُس کے فرائض کا تعین کب ہوا؟ کس نے کیا ؟ اُس کے اوّلین ممبران کون کون تھے ؟ اِن تمام سوالات کے جوابات بعد میں محققین نے حالات وواقعات سے اخذ کئے ہیں جوحق کے بالکل قریب اور بعض بعض سوفی صدحق وصحیح ہیں۔لیکن اُس زمانہ میں اُس شعبہ کا تذکرہ قطعاًنہ کیا گیا تا کہ ظلم واستبداد کومتوجہ ہونے اورتحفظ وتدارک کا موقعہ نہ ملے ۔ یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ تحریک تشیّع کا یہ شعبہ بھی قدیم الایام سے چلا آتا ہےاوراس کا ذکربھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

تصوّف اورصوفی کوصُوف سے مشتق سمجھنا چاہئے مصدری معنی ہیں۔

1۔''معروف کے علاوہ کسی اورطرف مائل ہونا''۔

2۔''تمام پسندیدہ چیزوں سے ہٹا ہوا ہونا''۔

چونکہ عربی زبان میں صُوف اُون یا اُون کے گھریلو بُنے ہوئے کپڑے کوبھی کہتے ہیں ۔ اِس لئے بھی اُن لوگوں کو جو مذکورہ شعبے سے تعلق رکھتے تھے صوفی کہاجاتا ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے خلاف بطورِاحتجاج موٹا جھوٹا اورگھٹیا لباس پہنتے تھے۔اورمعروف وپسندیدہ لذات ولباس سے ہٹے ہوئے اورسرمایہ داری اورظلم وستم کومٹادینے پرمائل تھے۔خرقہ اوراونی لباس ہمارے آئمہؑ کا بھی پسندیدہ لباس تھا۔جناب رسالت مآبؐ کا صوف (خرقہ) حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے جناب اویس قرنیؓ کوبطورِتحفہ پیش کیا تھا۔

''تصوّف کے تصورات وعمل''

(1) اس شعبہ کا مذہب حقیقتِ واقعی تھا۔ اس میں پانی کی طرح ہر رنگ قبول کرنے اور پھر بھی بے رنگ رہنے کی فطرت تھی۔ اُس نے ریاکارانہ عبادتوں کی خاموش مذمّت اپنا شعار بنایا۔ مذہبی تعصب کی بیخ کنی شروع کی۔ سرمایہ داری، دولت طلبِ جاہ وریاست اور دنیاوی لذات کو ترک کرانے اورخوف خدا، دلوں میں پیدا کرنے کا اہتمام کیا۔ اُسے ہر مذہب سے اِس لئے محبت تھی کہ تمام سابقہ مذاہب وہ زینہ ہیں جس نے تکمیلِ اسلام تک بلند کیا۔ یہ شعبہ تمام مذاہب کے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا تھا یہ تمام سابقہ کتب کو حق سمجھتا تھا۔ اُس کے کان میں یہ آواز گونجتی رہتی تھی کہ:۔

۔''اگر میرے لئے مسندِ حکمرانی بچھائی جائے تو میں مسلمانوں کو قرآن سے، یہودیوں کو تورات سے، اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل زبور کو زبور سے احکام دوں گا''۔(حضرت علیؑ)

اُنہوں نے دیکھا تھا کہ قرآن کریم نے سابقہ کتابوں کی تنسیخ نہیں بلکہ تصدیق کی ہے(10/37)۔ وہ پڑھتے تھے کہ اس قرآن میں تمام قائم رہنے والی کتابیں موجود ہیں(98/3)۔ اوراُن کا راہنما تمام صحف مطہرہ کی تلاوت کرتا ہے''(98/2) وہ جانتے تھے کہ اگر توریت وانجیل کے قوانین پر عمل کرلیا جائے تو نعماتِ خداوندی کا

نزول ہوگا۔(5/68)

وہ دین کی آخری منزل میں اُسی طرح تھے جس طرح آج (1974ء) تعلیم کا آخری درجہ ایم۔اے ہے۔ایک ایم۔اے اپنے اندر تمام سابقہ درجوں سے محبت وہمدردی رکھتا ہے نہ کہ نفرت وتعصب۔ وہ تو خود میٹرک بھی ہے، ایف۔اے بھی ہے، پرائمری پاس بھی ہے اور بی۔اے بھی ہے۔ وہ پہلی جماعت کے اسباق۔ ''بلی آئی چوہا دوڑا''۔ سُن کر اُنہیں فضول کی بکواس نہیں سمجھتا۔وہ جانتا ہے کہ پہلی پاس نہ کی ہوتی تو دوسری کی کتاب کیسے پڑھی جاتی۔ یہ سب جماعتیں پاس نہ کی ہوتیں تو وہ ایم۔اے کا نصاب کیسے پڑھتا؟ اور کس طرح سمجھتا؟ وہ کوئی مولوی صاحب نہیں ہے کہ بلا کسی سابقہ الہامی کتاب کو پڑھے وہ ایک دم قرآن کو پڑھ اور سمجھ لے۔ وہ جہالت سے بہت دُور ہے۔

(2) اُس شعبہ نے لفظ نفرت وتعصب کو قطعاً جھٹک کر نکال دیا۔ غیر مسلم تو بہرحال بامذہب ہیں وہ تو دشمن سے بھی محبت کرنا چاہتے ہیں۔وہ اپنے قاتل کو دعا دینا اور اُسے شربت پلانا سامنے رکھتے ہیں۔ وہ ہندو سے پیار کرتے ہیں اسلئے کہ انہیں ہندوؤں میں اسلام پھیلانا ہے، ہندوؤں کے دل جیتنا ہیں وہ زرتشتیوں، بدھوں اور فلسفیوں سے بھی کام لینا چاہتے ہیں۔

(3) اُنہوں نے ظواہر پرستوں کے خلاف کہہ دیا کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی نعمتیں،

حکومتیں اور عیش وآرام تمہیں مبارک۔ہم تمہیں بھی سلام کریں گے۔مگر دل سے اُس کے غلام بنیں گے،اُس کے اشاروں پر چلیں گے،جس نے کسی عمر اور کسی حال میں لذت دنیا کو نہ چکھا۔جو دنیا کو تین بار اور بار بار طلاق دیتا رہا،جس نے حلال لذات تک کو ترک رکھا،جس نے محنت ومشقت وریاضت کو دین بنادیا،جس کے طرزِعمل نے مخالفوں کو دوست کہلانے کی ہمت دی،جس کے ایثار وقربانی کو محبت اور دوستی کی سند میں پیش کیا جاتا ہے۔وہ ہمارا والی ومولا ومرشد بن سکتا ہے جو فقیری کو حکومت پر ترجیح دے،دنیا بھر کی حکومت کو بھیڑ کی ناک سے نکلی ہوئی گندگی قرار دے،جس کی ایک شکستہ جوتی ساری دنیا کی شاہی اور دولت سے زیادہ قیمتی ہو،جس کے سامنے کوئی مفتی فتویٰ نہ دے۔

(4) اِس شعبے نے اُن تمام لوگوں کو جذب کرلیا جو فقہا اور مفتیوں اور قاضیوں کے ستائے ہوئے تھے۔اُس نے وہ تمام سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جس کی مدد سے نوجوان طبقہ دین کی طرف قدم قدم بڑھایا جاسکے۔بادشاہانِ اسلام کے یہاں گانا بجانا جُرم نہ تھا۔اس لئے بہت سے لوگ اُن کی خلافتوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔اس شعبہ نے گانا بجانا عام کردیا۔مولوی صاحب کا قانون بادشاہوں کے خوف سے چُپ تھا۔اس خاموشی سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔اس گانے بجانے کے ذریعہ حقائق دین قلوب میں اتار دیئے جاتے تھے۔الغرض جو کام ڈنڈے اور حکومت کی طاقت

سے نہ ہوسکتا تھا یہ شعبہ صرف اشاروں سے کرالیتا تھا۔لوگ گھر باراور اولادواموال کو چھوڑ چھوڑ کر اُن کے دروازوں کی جُبّہ سائی کرنے لگتے تھے۔ترکِ دنیا اور ترکِ لذات کے باوجوداُن کے پاس کچھ ایسی لذت تھی اور کوئی ایسی حقیقت تھی کہ اُس کو حاصل کرنے اور مستقلاً لطف اندوز ہونے کے لئے لوگ تمام آرام دہ لباس اُتاردیتے تھے،سرخم کرلیتے تھے،زبان بند کرلیتے تھے،نظروں سے دیکھتے ہوئے معلوم ہوتے مگر وہ نامعلوم کہاں دیکھتے تھے کسی گلی،کسی جنگل یا کسی ویرانے میں جا بیٹھتے۔سردی اورگرمی کی اذیت،بارش کے تھپیڑوں،دیکھنے والے باشرع لوگوں کے طعن وطنز سے بے نیاز،ہرحال میں مگن،کسی سے مدد کے خواہاں نہ کسی سے بات کرنے کی حاجت، کیاوہ اپنے بال بچوں،دل کے ٹکڑوں،فداکار حَسین شریکِ حیات کو بھول گئے ہیں؟ کیاایسے جگر پاروں اوردل نوازوں کو بھولا جاسکتا ہے؟ دنیا کی تمام لذتیں اورلطف وکرم تمام آرام وآسائشیں یاد ہیں۔اور بار بار ان کے سامنے،ان کے قلب وذہن اورکام ودہن پر وارد ہوتے ہیں۔اُنہیں پلٹ آنے کی دعوت دیتے ہیں لطف اندوز ہونے کے لئے اُن کی مِنّتیں کرتے ہیں۔وہ نہایت استقلال سے تمام قلبی وروحانی تکالیف کے ساتھ برسرپیکار رہتے ہیں۔بیوی بچوں بہن بھائیوں کی تکالیف ایک ایک کرکے سامنے سے گزرتی ہیں۔دل بیٹھ بیٹھ جاتا ہے،سانس رُک جاتی ہے،روح تڑپ اٹھتی ہے۔وہ آہ بھرلے تو بات خراب ہوجائے،آنسو بہہ نکلیں تو شکست ہو

جائے، سردی سے کانپنے لگے تو وقارِ صبر جاتا رہے۔نرم بستر گرم لباس یاد ہے وہ نزلہ، بخار، نمونیا، موت سب کا انتظار کرتے ہیں۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام مصیبتیں آفتیں خطرات اُن سے ڈرنے لگے ہیں۔اُن میں سے کوئی کبھی بھی رنجیدہ یا روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔البتہ کبھی کبھی وہ لوگ مسکراتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔وہ کیا بات ہوسکتی ہے؟ جواُنہیں مسکرانے پر رضا مند کرتی ہے؟ وہ پاگل نہیں ہیں۔اُن میں اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ملتے ہیں۔اعلیٰ خاندانوں ،رئیسوں اور بادشاہوں تک کو دیکھا جاتا ہے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ معلوم نہیں۔مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ چاہتے ہیں وہ اُس تمام دنیاوی سامان سے زیادہ قیمتی ہے جس کو اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے۔وہ اِن تمام لذتوں سے زیادہ لذیذ، اُن تمام حُسن کے مجسموں سے زیادہ حسین ہونا چاہئے۔وہ کوئی ایسی چیز ہونا چاہئے جو اُن تمام تکلیفوں، اذیتوں کا بہترین اجراور بدلہ بن جائے۔ذرا سوچئے کہ اگر اِس قابل رحم، روح فرسا اور دردانگیز زندگی گزارنے کے بعد بھی وہ مقصد حاصل نہ ہو تو یہ کتنا عظیم اورالم انگیز نقصان ہوگا۔پھر سوچئے کہ وہ کس بنیاد پر اتنے پُر یقین ہیں کہ اپنی زندگی اور اُسکے تمام متعلقات اور پوری کائنات کو تج دیا ہے؟ پلٹ کر نہ دیکھا اور اطمینان سے چل دیئے۔یہ اطمینان کہاں سے ملا ہے؟ کس نے دیا ہے؟ اُنہیں معلوم ہے کہ ترکِ دنیا شرعاً منع ہے۔اسلام سے خارج ہونے کی دھمکی کانوں میں گونجتی رہی۔بچوں کا رونا زوجہ کی

فریاد دماغ میں ہیجان پیدا کرتی رہی۔ فرائض پکارتے رہے یقیناً کوئی اِن سب سے بڑا فریضہ سامنے ہے۔ کوئی دین ودنیا سے بھی زیادہ قیمتی اور پُر یقین حقیقت بالکل سامنے ہے۔ کوئی ایسا حکم وحاکم سامنے ہے جس نے کہہ دیا ہے کہ:۔

۔ ''تمہیں سچ مُچ یہ دکھانا ہے کہ مجھے واقعی میرے بچے، میرے ماں باپ، میر ے اموال واسباب، میرے عزیز واقربا، دین ودنیا آپؐ سے زیادہ پیارے نہیں ہیں۔ میں حضورؐ کی رضامندی حاصل کرنے کو مال، زر، زن، جائیداد، تجارت، اولاد، آبا، اقربا اور اپنی ذات ونجات وبقا سے زیادہ چاہتا ہوں (9/20-24)۔ میں اُس مشن کا ممبر بننا چاہتا ہوں جس میں اپنی پوری نفسیات فروخت کردی جاتی ہیں (2/207)۔ میں رضائے خداوندی کے حصول کے لئے دائرۂ سلامتی میں داخل ہوجانے کی جرأت کررہا ہوں (2/208) میں نے اس دنیا کا کھیل تماشہ ہونا ثابت کردینا طے کرلیا ہے (6/32)، (29/64)، (47/36) اور میں دنیا کے فریب اور دھوکے سے باہر نکل آیا ہوں (57/20) میں حضرت عیسیٰؑ کے متبعین سے بڑھ جانا چاہتا ہوں۔ (متی 10/36-37) (متی 19/16-24) میں ناپاک مومنین میں سے نکل کر پاک اور مطّہر نظام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ یوں اِس شعبہ نے اللہ کا کیا ہوا وعدہ (3/179) پورا کرنا شروع کیا''۔

(5) یہ لوگ مندروں میں چلے گئے اور مندر سے متعلق تمام ہندوؤں کو مسلمان

کر کے نکلتے۔ اُن سے خوشی خوشی مسجدیں بنواتے اور رفتہ رفتہ چند کروٹوں کے بعد زمرۂ حق میں بھیج دیتے۔ یہ حضرات تمام مکاتیبِ فکر میں گھل مل گئے۔ اور قدم قدم جتنا ممکن ہوا حق کی طرف موڑتے رہے۔ سب سے خطرناک عقائد کو پہلے ڈانواں ڈول کرتے، صحیح عقیدہ سامنے رکھتے اور چھوڑ دیتے۔ اُنہیں تبلیغ کی جلدی نہ تھی۔ وہ تمام عوام الناس کو مغالطہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے معذور و بے خطا سمجھتے۔ سب سے ہر حال میں ہمدردی وتعاون کرتے۔ اُس شعبہ نے اہل باطل کے نظام کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو بات کرنے غور کرنے پر آمادہ کیا۔ بتدریج علمی گفتگو کے نام پر نازک بحثیں اور عقائد واعمال پر تنقید ہونے لگی۔ جن مسائل کے ذکر پر، جن سوالات کو سنتے ہی تلوار اور دُرہ دکھایا جاتا تھا اُن باتوں کو سننے اور نقائص پر غور کرنے کے لئے آمادہ کرنا پہلی منزل تھی جو اُس شعبہ نے آسان کر دی۔

(6) اِس شعبہ کی مرکزی راہنمائی، اُس کی پیش آمدہ مشکلات کا حل کرنا، غلطیوں کے بُرے نتائج سے بچانا، افراد اور جماعتوں میں رابطہ کا انتظام مرکز اعلیٰ کی ذمہ داری تھی۔ ماتحت مراکز صرف اُن لوگوں کو پورے سلسلے کے نام بتاتے تھے جو اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ یعنی کسی کو ممبر بنانے سے پہلے یہ یقین کر لیا جائے کہ ہر نیا شخص اپنی ذات اور متعلقات کو مرکز کے ہاتھ میں دے چکا ہے۔ اور مرکزی احکام کی تعمیل میں اُس کے جذبات، اُس کا سابقہ مذہب وشریعت رکاوٹ نہ بنیں گے۔ یہ شعبہ اپنے

سلوک سے لوگوں کو جانچنے اور اُنہیں سرفروش وفدا کار بنانے کے سینکڑوں طریقے جاری کرتا۔ وہ نفاق اور سرکشی کو جانچنے اور دشمن و دوست کو پہچاننے کے بے پناہ اصول برسر کار لاتے تھے۔ اُنہوں نے مسلمانوں میں وہ تمام صفات پیدا کیں جو نظام اجتہاد نے تباہ کی تھیں۔ سیاسی طرز فکر نے رسولؐ اللہ کے احکام کی بھی بے چون وچرا تعمیل نہ ہونے دی۔ ہر للّو پنجّو تعمیل حکم سے پہلے ہی یہ پوچھتا کہ جناب یہ وحی کا حکم ہے یا آپؐ کا ذاتی حکم ہے؟ تاکہ ذاتی حکم کو نظر انداز کردے اور وحی کی تعمیل تب کرے جب کہ سیاسی راہنما کی بصیرت متفق ہو جائے۔ اس شعبہ نے اگر مشہور ومعروف غلط حکم بھی دیا تو اس کی تعمیل بے چون وچرا ہوئی۔ مثلاً شراب کی بوتل سامنے رکھی اور کہا کہ شراب پیٔو۔ جس نے بے دھڑک تعمیل کی اُسے الگ شمار کیا۔ دوسرے کو الگ رکھا۔ پی لینے والے کو معلوم ہوا کہ وہ محض حکم تھا۔ جانچ تھی شراب نہ تھی شربت تھا۔ اُسے ظاہری لیبل اور بوتل دھوکہ نہ دے سکی کامیاب ہوا۔ لیکن آزمائش تطہیر کے ساتھ ساتھ ساری عمر جاری رہے گی یہاں تک کہ وہ تقرّب حاصل کرلے۔ مجتہدین نے علومِ کائنات اور معجزات کا انکار کیا تاویل کی اور آنحضرتؐ کے تمام معجزات کی نفی کردی۔ اور کہہ دیا کہ قرآن کریم ہی اُن کا معجزہ ہے اور قرآن کے متعلق جو کچھ کیا وہ ظاہر ہو چکا۔ اُس شعبہ نے معجزات وکرامات وخرقِ عادات پر نہ صرف یقین دلایا بلکہ اپنے متبعین میں معجزاتی بصیرت وقدرت پیدا کی۔ اور تحریک کے سربراہوں نے ضرورت

پڑنے پر متبعین کے ہاتھ پر معجزات جاری کئے اور ہر وہ بات منوا کر چھوڑی جو رسوؐل اللہ کے نام سے قبول نہ کی گئی تھی۔

(7) تحریک کے اس شعبے نے زمانہ کیساتھ ساتھ بڑھنا اور پھیلنا شروع کیا تمام ممالک میں اُسی رنگ میں پہنچے جو وہاں موزوں تھا۔ نئے نام رکھے، نئی اصطلاحات جاری کیں، قرآن اور صاحبانِ قرآن کی تعلیمات جاری کیں، ناموں اور کاموں کو لفظی تعصب سے ملوث نہ ہونے دیا تاکہ لوگ اپنی چیز سمجھ کر اختیار کریں۔ اعلانیہ اور انڈر گراؤنڈ شعبوں کو مربوط رکھا۔

(8) بعض راز وقت آنے پر خود کھلے۔ بعض جوش میں ظاہر ہوگئے۔ اس لئے سرکاری وغیر سرکاری قاضیوں اور مفتیوں نے مخالف محاذ بھی قائم کئے۔ قتل، سُولی جلاوطنی کی سزائیں بھی دیں۔ مذہب کے نام پر بزرگوں کی کھال بھی اتاری گئی۔ اُس شعبے نے بھی دفاعی انتظامات کئے، بعض نعرے بدلے، بعض نئے طبقات قائم کئے جو ظواہر شریعت کی وجہ سے مخالف معلوم نہ ہوں اور مجتہدین غافل رہیں۔ اس غرض کے لئے بعض دفعہ آپس میں ایک دوسرے کو بُرا بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ مگر اُن سب کا مقصد ایک تھا مرکز ایک تھا۔ اُس مرکز سے فیض پاتے اور اُس کے واسطے اور وسیلے سے ناممکن کو ممکن بنا کر دکھاتے۔ ہر دَور کے ہر مکتبِ فکر کو متاثر کرتے، اُن کے جمود کو حرکت میں لاتے، اُن کو اُن کے تصورات وعقائد کے پوشیدہ نقائص پر مطلع کرتے

اور نئے تصورات کو جنم دیتے قبول کراتے ۔ ہرمکتب فکر کو دھکیلتے کروٹیں دیتے اور بتدریج موڑ موڑ کر حق سے قریب کرتے۔ اُن کے دانشوروں اور ہونہار لوگوں کو اپنے اندر ضم کرتے چلے جاتے۔ یوں ظواہر پرستوں میں مختلف فرقے بنتے بگڑتے اوراصلاح کی طرف بڑھتے گئے۔ مجتہدین مجبور ہوتے گئے اوراپنے خلاف لکھتے گئے اوراُنہیں تھالی کا بینگن بن کررہنا پڑا۔

(8۔الف)اِس شعبہ نے حقیقی مرکز کا تعارف وتعین کرانے کے لئے دودولفظوں کی جوڑیاں بولنا شروع کیں۔مثلاً:۔

1۔حقیقی ومجازی۔2۔روحانی اورجسمانی۔3۔باطنی وظاہری۔اُنہوں نے دین کے لئے بھی اُن ہی دونوں الفاظ کو عام کیا۔اور کہا کہ ہم ظواہر پرستی اور ریاکارانہ طرزعمل کو چھوڑ کر دین کی حقیقت اور دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی طریقت کو اختیار کرتے ہیں ۔روحانیت کو اختیار کرتے ہیں ، جسمانیت کونظرانداز رکھتے ہیں۔ باطنی غرض وغایت کو سامنے رکھتے ہیں،ظاہری صورت حال عوام کے لئے چھوڑتے ہیں۔اُنہوں نے کہا کہ نیابت رسوؐل بھی اِن ہی صورتوں پر منقسم ہے۔حقیقی جانشینی اورمجازی جانشینی یا مادی جانشینی ،باطنی امامت اورظاہری خلافت ،جسمانی جانشینی اور روحانی جانشینی ۔ اُنہوں نے اعلان کرنا شروع کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی،باطنی ورُوحانی جانشین کو اپنے تمام سلسلوں کا مرکز مانتے ہیں۔ اوراللہ سے تمام فیوض

وبرکات وتعلیمات وکرامات ومعجزات کواپنے حقیقی امامؑ کے واسطےاور وسیلے سے حاصل کرتے ہیں۔

(9) مرکزی کردار اور راہنمائی کے لئے اولین مرکز نے اپنے متبعین کو محدود ومشروط صورت میں مختار بنا دیا۔ اُنہیں اللہ کے یہاں مستجاب الدعوات رہنے کے طور طریقے بتائے۔ اپنے بعد کے لئے جانشینی اور اِجرائے خلافت کے اصول سمجھائے۔ اپنے نائب کو خرقہ وخرق عادات سونپنے کا اختیار دیا۔ اور گاہے ماہے اعلانیہ شعبے کے سربراہ سے تجدیدِ بیعت اور حصول قوت کی بھی اجازت دی تا کہ رابطہ بھی رہے اور امامِ زمانہؑ دشمنوں سے محفوظ بھی رہیں۔ اور راز بھی فاش نہ ہو اور دونوں شعبوں کا مستقل تعلق ظاہر نہ ہو۔ یوں دو لفظوں میں تعصب کا جوالا مکھی بند کر دیا گیا اور اپنا حقیقی منشا مقبول بنا دیا۔ ملک اور بیرون ملک یہ روحانی خلافت پھیل گئی۔ خرقہ پوش خلافتوں نے، خلافت باطلہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ سلسلہ ہر کلیدی مقام تک سائے کی طرح جا پہنچا اور خود حاکمانِ وقت سے اپنے مقاصد کی تائید وتقویت حاصل کی۔ یہ خلافت ہر ملک میں آج تک جاری ہے۔ خلافتِ باطلہ جڑ سے اکھڑ گئی اور آج اُس کا قصہ بھی پرانا ہو گیا۔ لیکن یہ روحانی خلافت باوجود مخالفت کے جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ظہور حقؑ نہ ہو جائے۔

تطہیر، تشیع ،حقیقی تصوف کے سربراہ ومنبع امیر المومنین حضرت علی ابن ابی

طالب علیھما السلام والصلوٰۃ ہیں ۔انہوں نے اس شعبہ کو قائم کیا ،قوت بخشی اس کی رہنمائی کی اور اس شعبے کے اولین لوگ صحابہ رسوؐل تھے ۔ اصحابِ صفّہ چارسو (400) کی تعداد میں تھے ۔ایک کھجور کا ٹوٹا پھوٹا ساچھپّر ،ایک مٹّی کا چبوترا اُن کا گھر تھا ۔بارہ تیرہ سال اس پر گزاردینے والے صحابہؓ رسوؐل کا عبادت وتحصیلِ علم کے سوادوسرا کوئی مشغلہ نہ تھا ۔ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام رسوؐل کے ذمہ تھا ۔ان کی تعلیم وتربیت لگاتار خود رسوؐل اللہ اور حضرت علیؑ فرماتے رہےاور مخصوص حالات اوروقت کے لئے ان کوتیار کرتے رہے ۔اوررسوؐل اللہ کا یہی وہ الٰہی نظام تھا جس میں مسلمانوں کی تطہیر ہوناتھی (3/179)،نظام نہایت خاموشی سے برسر کار تھا جیسے ہی خلافت کا ہنگامہ کھڑا ہوااورتمام دانشورانِ قوم اِس ہنگامہ کوسلجھانے میں مصروف ہوئے ،اصحاب صفہ کو نظام تطہیر نے اپنا پروگرام سونپ دیا اوراس طرح چارسو سے زیادہ آزمودہ کارممبرانِ تطہیر پبلک میں پھیل گئے ۔اوراپنے بارہ سالہ علم وتجربے کو ہنگامہ فروکرنے میں لگادیا اورمخالف محاذ کو کانوں کان خبرتک نہ ہوئی۔ یہ سبب ہے کہ مؤرخین اور محدثین اصحابِ صفّہ کے معاملے میں حیران ہوتے رہے ہیں۔ یہاں پراصحابِ صُفّہ کے چندمخصوص نام قارئین کے گوش گزار کرنا ضروری ہیں تا کہ قارئین اس تحریک تشیّع کافہم وادراک حاصل کرسکیں۔

اصحابِ صُفّہ میں جناب سلمان محمدیؓ،حضرت مقدادؓ، حضرت قنبرؓ، حضرت میثمؓ تمار

وغیرہ جیسے بڑے بڑے نام آتے ہیں جو اُدھر نبوّت نے اپنی نگرانی میں تیار کئے مگر اِدھر تاریخ نے ان کے تذکرہ وفضائل کے معاملے میں طاغوتی اور بھیانک خاموشی اختیار کئے رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا سے ظاہراً پردہ پوشی کے بعد جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے شعبۂ تصوف کو مسلمانوں کی تطہیر (3/179) کے لئے منظّم صورت دے دی۔ اِس شعبہ میں چارسو سے زیادہ اصحاب صفہ اور تمام وہ صحاؓبہ شریک ہوئے جو اِس دنیا کی حکومت، ریاست، دولت، خلافت، تخت وتاج عیش وآرام کو بنی نوع انسان کی فلاح کے مقابلہ میں لھوولعب سمجھتے تھے اور اپنی زندگی، جان ومال واولاد واقربا کو اسلام کے نام وقیام کے لئے اپنے سربراہؑ کے ہاتھ فروخت کرچکے تھے۔ تطہیر (3/179) کے اس پہلے دَور کے بعد آئندہ آنے والے ادوار کے لئے بھی جناب مولا مشکل کشا علیہ السلام نے باقاعدہ انتظام فرمایا تھا۔

61 ہجری تک تصوف اور شیعہ تحریک براہِ راست علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے زیر ہدایت رہیں اور آئندہ آنے والے ادوار کے لئے نظام قائم کیا اور آئمہ اثنا عشر علیہم السلام نے ہمیشہ تحریک تصوف کی تائید وراہنمائی کی ہے۔ روحانی خلافت کو خفیہ طور پر نافذ کرنے والا یہ شعبہ مسلسل دوسوسال (200) زیرزمین نہایت کامیاب مشن چلاچکا تو اب اس شعبہ کا تذکرہ شروع ہوا۔ شیعہ تحریک کا جو خفیہ شعبہ قدیم الایّام سے برابر

کام کرتا چلا آیا ہے اس کا نام ''شعبہ تصوف'' ہے اس کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مخالف محاذ سے توڑ کر الگ کرے۔ ان کی تطہیر و آزمائش کر کے مرکزی تحریک تشیع کے حوالے کرتا چلا جائے۔

ان ناموں میں سے چند ایک کے نام سے قارئین اچھی طرح واقف ہیں جنہوں نے طاغوت سے ٹکرا کر اُسے پارہ پارہ کر دیا اور طاغوت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جیسا کہ جناب مختارؒ ثقفی کہ جن کے کردار کو طاغوتی تاریخ نے گو کہ چھپانے کی کوشش کی مگر تحریک تشیع نے جتنا ضروری سمجھا اُن کو منظر عام پر لائی۔ اسی طرح شعبہ تصوف کے ایک اہم کردار جناب بہلولؒ سے پوری اُمت مسلّمہ واقف ہے، جنہوں نے حاکم وقت کو ولایت معصومینؑ کے غصب کرنے پر طرح طرح سے آگاہی و سزا کی پیشگوئیاں کیں جیسا کہ ایک مرتبہ حاکم وقت کے آنے سے پہلے جناب بہلولؒ اس کے تخت پر براجمان ہوئے تو ڈیوٹی پر موجود افسران نے جناب بہلولؒ کو خوب زدو کوب کیا مگر حاکم وقت کے آنے اور اپنے عملہ کو تنبیہہ کرنے پر جناب بہلولؒ کو مارنا چھوڑ دیا گیا مگر جناب بہلولؒ نے دھاڑیں مار مار کر رونا بند نہ کیا تو حاکم وقت نے درباریوں کو ڈانٹا کہ ایسا کیوں کیا یہ میرا بھائی ہے جو کہ عقل و شعور نہیں رکھتا اور پاگلوں میں شمار ہوتا ہے اور پھر جناب بہلولؒ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ بس اب میں آ گیا ہوں کوئی کچھ نہیں کہے گا بس اب رونا بند کرو، کیا زیادہ درد ہو رہا ہے، تو جناب بہلولؒ

نے حاکم وقت کو جواب دیا کہ میں اپنی وجہ سے نہیں رو رہا نہ ہی مجھے اس طاغوتی رویہ کا دکھ ہے مجھے تو آپ جناب کا دکھ ورنج وغم کھائے جارہا ہے اور تمہاری تکلیف پر مجھے رونا آرہا ہے۔تمام درباری بھی حیران ہوگئے اور حاکم وقت نے بھی پریشان ہوکر پوچھا کیا مطلب؟ تو بہلولؒ نے جواب دیا کہ دیکھو جس تخت پر چند لمحے بیٹھنے پر مجھے اتنے دُرّے مارے گئے۔تم نے ولایتِ آلِ محمدؐ غصب کرتے ہوئے پوری زندگی گزاردی ہے تمہاری سزا کتنی بڑی ہوگی مجھے یہ سوچ کر رونا آرہا ہے۔اسی طرح ہر دور میں تحریک تشیع کے ممبران اور صوفیا کا عمل درآمد بے مثال رہا ہے۔

جہاں تک صوفیاء کا متعدد شیوخ سے فیض حاصل کرنے کا تعلق ہے وہ تصوف کی مرکزی پالیسی کے اندر داخل اور صحیح ہے۔لیکن جن لوگوں نے اس طرح خود ہی الگ سلسلے قائم کیئے یا آئندہ کریں وہ مرکزی یا علوی پالیسی سے سرتابی ہے اور دائرہ تصوف سے خارج ہوجانے کے لئے کافی ہے۔جس طرح بعض حالات میں بعض بدکردار مسلمانوں اور مومنین کی مذمت کی گئی ہے اُسی طرح بعض غلط کار صوفیوں کی بھی آئمہ علیہم السلام نے مذمت کی ہے۔لیکن پالیسی کی حیثیت سے اُن حضراتؑ نے شعبہ تصوف کو ہمیشہ مضبوط کیا۔اور کیوں نہ کرتے جب کہ یہ تحریک ہی اُن کی طرف سے اُن کے احکام وہدایت کے ماتحت تھی۔البتہ اس انڈرگراؤنڈ تحریک کی مخالفت جب بھی ہوئی اور جس نے بھی کی وہ آئمہ اثناعشر علیہم السلام کا مخالف محاذ تھا خواہ مخالف محاذ

کا لیبل(Label) کچھ بھی رہا ہو۔

قارئین کرام اب ہم آپ کے سامنے وہ بنیادی عقائد پیش کرنے جا رہے ہیں جنہیں خاص طور پر خلافت الٰہیہ پر قبضہ کرنے کے لئے اور اقتدار وحکومت کو برقرار رکھنے کے لئے، ظلم وستم وجبر واستبداد کا جواز حاصل کرنے کے لئے چھپایا گیا۔

حقیقی اسلام کے عقائد جن کو چھپایا گیا:

اول۔ خدا عادل ہے۔

یعنی اللہ کا ہر حکم اور ہر فعل عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔اسکے قول وفعل سے ہرگز مضر اور خلافِ عقل نتیجہ نہیں نکلتا۔قادر مطلق کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے ایسا ایک اور خدا پیدا کرسکتا ہے یا آدمی بن سکتا ہے۔تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز اورعمل کے نتائج مقرر کردیئے ہیں اوراُن نتائج تک پہنچنے کے مستقل قوانین مقرر کردیئے ہیں۔جس قانون پرعمل کیا جائے ہمیشہ اُس کا وہی نتیجہ نکلے گا جو اللہ نے تقدیر یا قانون میں مقرر کردیا ہے۔زہر کھانے سے صحت کو نقصان ہوگا پھل کھانے سے فائدہ۔ یہ قانون یا تقدیر ہے۔آپ کیا کھائیں؟ کتنا کھائیں؟ کیوں کھائیں؟ اس میں انسان آزاد ہے ۔ یہ آزادی بھی قانون یا تقدیر ہے ۔آپ زہر کھائیں اور چاہیں کہ نقصان نہ ہو۔آپ پھل کھا کر چاہیں کہ فائدہ نہ ہو۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں یہ بھی قانون یا تقدیر ہے ۔تمام قوانین اللہ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانی

اور کتب میں بیان کر دیئے ہیں۔ انسان آزاد ہے، اچھا اور مفید کام کرے تو مفید نتیجہ نکلے گا بُرا کام کرے تو بُرا نتیجہ نکلے گا۔ قتل کرنا چاہے تو چھری، تلوار، ریوالور اپنا کام کریں گے۔ ہاتھ پیر کہنا مانیں گے زمین چلنے سے نہ روکے گی۔ تلوار گردن پر لگے تو گردن کٹے گی یہ سب تقدیریں ہیں۔ مگر وہ مختار ہے تلوار پھینک دے تو وہ زبردستی کر کے اس کے ہاتھ سے چمٹی نہ رہے گی۔ ٹانگیں واپس آنے سے نہ روکیں گی۔ اِس لئے قتل کرنے اور نہ کرنے کا ذمہ دار وہ خود قاتل ہے۔ قتل یا قتلِ عام اگر منع ہے تو قاتل جہنمی ہے۔ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ قتل کرنے میں فلاں قانون کی رُو سے حق بجانب ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قتل خدا نے کیا ہے یا ہر اچھا برا کام اللہ ہی کراتا ہے، مجتہدین وسیاسئین کا فریب ہے۔ یہ فریب اس لئے دیا گیا کہ سابق الذکر قتلِ عام جائز کہلاسکیں۔ اس باطل عقیدے کو ماننے سے نہ صرف یہ دنیا جہنم بن جاتی ہے بلکہ تمام بدکاریاں اللہ کے ذمہ لگ جاتی ہیں۔ غرضِ تخلیقِ کائنات، رسولوں کا بھیجنا، قیامت کا حساب اور مواخذہ، نیک اعمال وعبادات، سب باطل اور فضول ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ ایک ہی عقیدہ ایسا ہے جس سے اسلام کفر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام کو اسلام رکھنے کے لئے خدا کے عادل ہونے کو تسلیم کرانے کے لئے وہ تمام قربانیاں دی گئی تھیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

دوم۔ **رسوؐل اللہ کی پوزیشن:**

یوں تو ہر نبیؑ معصوم ہوتا ہی ہے مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم عصمت ہیں ۔یعنی جس کو اس قابل دیکھیں معصوم بناسکتے ہیں ۔اُن کے صفات وفضائل (دیکھو! عظمتِ رسوؐل قرآن سے) ہی سے تمام انبیاء علیہم السلام کو حصہ ملا ہے۔ وہ نبوت ورسالتِ مطلقہ پر فائز ہیں۔ باقی انبیاءؑ اُن کی نبوت ورسالت کی تمہید ہیں۔ وہ سرکاؐر جو کچھ ہو چکا تھا (ماکان)اور جو کچھ ہو رہا تھا (مایکون)اور کائنات میں جو کچھ ہونے والا تھا (ماھُوَ کَائِنٌ)سب کے عالم تھے۔اُن کی منشا منشائے خدا تھی۔ اُنؐ کا ہر فعل اور ہر عمل اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق تھا۔ اُنؐ سے غلطی اور غلط کاری کا امکان بھی نہ تھا تمام کائنات پر اُنؐ کے حکم کی اطاعت لازم تھی۔اُنؐ کے قول وفعل میں غلطی کا امکان مان کر اُنؐ کے قول وفعل کی اتباع نہ کرنے والا کافر وجہنمی ہے۔

سوم۔ **امامت ونیابت :**

جس رسالت ونبوت کی وسعتیں پوری کائنات پر حاوی ہوں۔جس سے تمام جن وانس ہدایت حاصل کریں، جو انسانوں کو تسخیر کائنات اور علوم قرآن پہنچانے کی ذمہ دار ہو۔ اُس کی نیابت نہ جہالت کرسکتی ہے نہ یہ صرف انسانی علم پر منحصر ہوسکتی ہے۔اُس کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ نائب وجانشینِ رسوؐل قرآن کریم کا کماحقہٗ عالم ہو۔جس کے رُوبرو رسوؐل کی طرح پوری کائنات مسخر ہو۔ جو قیامت تک آنے

والے ہر دور کے انسانوں کو اُن کی احتیاج وضروریات کے لئے قرآن کریم سے ہدایات دے سکیں، جو رسوؐل کی طرح علمی قوت وعین الیقین کی بناپر معصوم ہوں۔ جن کی راہنمائی میں غلطی وخطا کا امکان نہ ہو۔

تحریک تصوف کی مخالفت وموافقت:

یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ شعبۂ تصوف دوسو پچاس ہجری تک نہایت کامیابی سے کام کرتا رہا۔ اور اُس نے مخالف محاذ کے تمام اَوّلین اور اساسی اصولوں کو توڑ کر اُمت کے افراد کو جمود سے نکالا۔ فکری آزادی پیدا کی، عقیدۂ جبر کو پاش پاش کر دیا۔ ظالم کو ظالم اور مظلوم کو مظلوم کہنے کی جرأت پیدا کی۔ حکومتوں کے فرضی تقدس کو بے نقاب کیا۔ غریب وامیر، سرمایہ دار ونادار ی کو تقدیر کے پردوں سے باہر نکالا۔ حصولِ تقربِ خداوندی کی مثالیں قائم کیں، بے نتیجہ اور ریاکارانہ عبادتوں کو لوگوں کی نظروں میں واضح اور ذلیل کیا۔ یعنی حقیقی اور مصنوعی اسلام کو الگ الگ کر دیا۔ نبوت ورسالت وامامت وخلافت وحکومت وملوکیت کے مقامات واضح کئے۔ کثرت کے دلیل حق ہونے کو باطل ثابت کیا۔ حق پرستوں کی قِلّت کو قابل فخر بنایا، غلط الزامات اور اتہامات کو باطل کیا۔

تیسری صدی میں مخالفت نے سر اُٹھایا:

صوفیاء کی تبلیغ واشاعت سے تیسری صدی تک تحریکِ تشیُّع کا سطحی محاذ کافی

سہولتیں حاصل کر چکا تھا اور مذہب اثنا عشریہ کی مکمل صورت سامنے آ چکی تھی۔ تمام عقائد و اصول رفتہ رفتہ احاطۂ تحریر و تقریر میں آ چکے تھے اور مخالف محاذوں کی طرف سے بھی کافی تائید و تصدیق ہو چکی تھی۔ اور اُس کا اثر و نفوذ ملک کے اندر اور باہر کے ممالک میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اور یہ بات کھلنے اور سمجھ میں آنے لگی تھی کہ شعبہ تصوف دراصل تحریک تشیّع ہی کا چھوٹا بھائی یا زیرِ پردہ ایک شعبہ ہے۔ اس لئے مخالف محاذ کے دانشور مجتہدین و متکلمین و محدثین و مورخین خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے تصوف و تشیّع یلغار کرتا بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے لازم ہو گیا کہ دانشوروں کا تبادلہ کیا جائے۔ چنانچہ تصوف کا خرقہ، عبا قبا، عمامہ و دستار مخالف دانشوروں کی زد میں آ گئے۔ چابکدست و ماہر افراد لعنت و تبرا کو سہارا بنا کر شعبہ تصوف اور تشیّع میں پناہ گزین ہوئے۔ اعتبار و اعتماد حاصل کیا، اجازہ و خرقہ لیا اور دونوں شعبوں میں تخریب شروع کی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے تقویٰ اور تقیہ کی تحقیر کی اور عوام الناس کو متنفر کرنے کے لئے ہر اُس فرد پر تبرا اور لعنت شروع کر دی جو عوام میں معزز تھا۔ عوامِ شیعہ نے اُن کو شیعہ سمجھا اور سمجھا کہ دراصل وہی شیعیت کی خدمت کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اُن دوست نما دشمنانِ اسلام نے پبلک میں از سرِ نو تعصب اور نفرت کی آگ سلگا دی اور آج تک وہ لعنت و تبرا کو بطور حربہ استعمال کرتے رہے ہیں۔ آئمہؑ اثنا عشرؑ نے اِس قسم کے لوگوں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے اندر یہ خاطی قیادت اور نظام اجتہاد، لعنت وتبرا کا مستحق ہے۔ جو شخص اُن سے تبرا نہیں کرتا اور اُن کی اتباع وتقلید کرتا ہے وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر محمدؐ وآل محمدؐ یا دواز دھم امام علیہم السلام کا شیعہ اثنا عشری نہیں ہوسکتا۔ ہمارے یہاں لعنت وتبرا کے معنی لُغت کے عین مطابق ہیں۔ یعنی تخریبی منصوبہ سازوں کو اُن کے منصوبے کے نتائج سے محروم کرنا لعنت ہے۔ اور تخریب کاروں کے طرزِ عمل سے بیزار رہنا تبرا ہے۔ جو عملاً یہ کام نہیں کرتے اور زبان سے بکواس کرتے ہیں وہ پہلی صدی کے اُن دشمنان اسلام کے ساتھ شمار ہوں گے جنہوں نے علیؑ وخاندان علی علیہم السلام پر اِسی بکواس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور آئمہ اہل بیتؑ اور اُن کے شیعوں نے محبت واحترام کے ہتھیاروں سے دشمنوں کے مقاصد کو تباہ کر دیا اور آخر تمام اُمت اُن تبرا بازوں سے بیزار ہوگئی۔ بہرحال تیسری صدی میں تصوف وتشیع کے خلاف داخلی اور خارجی دونوں دشمنوں نے اندرو باہر محاذ بنانا شروع کیئے۔

پالیسی کی حیثیت سے اور بہترین کارکردگی کے لئے ہر زمانہ کا معصوم امامؑ ہر تحریک سے علیحدگی کا اظہار کرنے کو لازم سمجھنے پر مامور تھا۔ نہ وہ تیغ بکف محاذ کی مدح وثنا کھل کر کرسکتا تھا نہ شعبہ تصوف سے باقاعدہ تعارف مفید تھا۔ اس لئے عوام شیعہ وعلماء حقیقت واقعیہ سے لاعلم تھے۔ مخصوص علمائے شیعہ اور اُن کے زمانہ کا امام علیہ السلام تمام شعبوں سے واقف ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ تمام علمائے شیعہ جو تصوف کے حق

میں رہے ہیں وہی علماء ہیں جو صاحبانِ کرامات ومعجزات ہیں۔ اور تصوف کی مذمت کرنے والے کم از کم جاہل ورنہ دشمنانِ مذہب شیعہ ہیں۔ کچھ ایسے علماء بھی ممکن ہیں جو مغالطے میں رہ گئے ہوں۔ بہر حال لاعلمی اور مغالطہ میں رہنے والے شیعہ ہوں یا سنی اللہ کے یہاں معاف ہیں۔ گمراہی کا کھلا حکم صرف علماء پر عائد ہوتا ہے عوام پر نہیں۔ اس لئے کہ علماء اگر خلاف ورزی کرتے ہیں تو علم کے بعد کرتے ہیں اور عوام لاعلمی میں خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔ اور اُن کی خلاف ورزی بھی اُن کے علماء کے بہکانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

صوفیائے کرام کی وہ خطا جس کی بنا پر اُن کی مخالفت کی گئی:

قارئین کرام وہ بنیادی مقاصد اپنے سامنے رکھ لیں جن کو حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام نے دنیا کی تمام لذات اور آرام و آسائش کو تج دیا تھا۔ اور پھر سوچیں کہ اُن کے مخالف کیسے لوگ ہو سکتے ہیں؟ اور اُن کے دعوائے شیعت کی کس قدر قیمت ہو سکتی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ صوفیائے کرام نے دین اسلام کے بنیادی عقائد کو از سرنو قائم کیا اور عوام میں پھیلایا۔ ورنہ جس خاندان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے 36 سال بعد ہی لعنت اور تبرا شروع کرا کر مسلمانوں کے دماغ سے اُس خاندان کی عظمت نکال دی گئی تھی اور سطحی محاذ اُس عظمت کو تو کہاں واپس لاتا خود اپنی جان بچانے کے لئے شیعہ تقیہ کی چادر اوڑھے پھرتے تھے۔

اور اکثر جان بچانے کے لئے اہل بیت علیہم السلام پر تبرا کر لیتے تھے۔ اُن کے علماء اس کے جواز کا فتویٰ دینے پر مجبور تھے۔ اُن کی گلو خلاصی جس محاذ نے کرائی مجتہدین نے اُن ہی محسنوں کے خلاف زبان وقلم کی جولانیاں دکھائیں۔ ننانوے سال تک اُن میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہوا کہ لعنت وتبرے کی اُس لعنت کو بند کرنے کا خیال بھی کر سکے۔ جن لوگوں کی قربانیوں سے، تبلیغ سے سب کچھ ہوا، اُن کو برا کہنے والا یقیناً بڑا ہی شقی القلب ہوسکتا ہے۔

شیعہ مجتہدین اکثر فضائلِ محمدؐ وآل محمدؐ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو نور خالص نور سمجھنا شرک وبدعت ہے۔ بہرحال یہ تصوف تھا جس نے آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ کو نظام مشاورت کے ایک ممبر اور زیادہ سے زیادہ بڑا بھائی، معاذ اللہ غلطیاں کرنے والا، جذبات بشری سے دوچار وغیرہ وغیرہ بکواس سے نکالا اور لوگوں کو اُنؐ کے صحیح مقام پر مطلع کیا، ثابت کیا اور منوا کر چھوڑا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی زمانہ کا اور کسی مذہب کا مجتہد ہرگز صوفیا سے خوش نہیں ہوسکتا کیونکہ صوفیا نے اُن کے باطل مذہب کے پرخچے اُڑا دیئے اور ابلیسی محنت کو تباہ کر ڈالا۔ قارئین یہ بھی یاد رکھیں کہ نظام اجتہاد کا مذہب نہ سُنی ہوتا ہے اور نہ ہی شیعہ اُن کا مذہب ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کا مذہب یہ ہوتا ہے کہ ولایت محمدؐیہ اور ولایت علوؑیہ کسی صورت میں قائم نہ ہونے پائے اسی لئے ان کا ابلیسی نظام دن رات صوفیائے کرام اور تحریک تشیّع کی مخالفت

میں کام کرتا رہتا ہے۔

بہرحال تحریک تشیّع کے شعبہ تصوف کے ذریعہ سے اسلام کے صحیح عقائد کا بہ احسن پُرامن اجراء ہوا۔اوراسلام کے نام پرظلم وستم اورقتل عام اورجبراً اشاعتِ اسلام کی مذمت اورظالموں سے نفرت اورمظلوموں سے تعارف ومحبت کا آغاز ہوااورساری دنیا میں پھیل گیا۔اس پھیلاؤ کوروکنے کے لئے عرب سے باہر کے ممالک پر حملے شروع ہوئے۔

تصوف کے متعلق بُری سے بُری باتیں اورفقہا کی اچھی باتیں:

(الف) شیعہ سُنّی فقہا اورمجتہدین کے نزدیک ہروہ کلمہ گوراندۂ درگاہ ہے جواُن کی طرح یااُن کی کھوپڑی سے نہ سوچتا ہو۔جسے اُن سے ذرہ برابربھی اختلاف ہو۔

(ب) ہروہ کلمہ گوجوکسی وجہ سے شراب پیتا ہو، چرس پیتا ہو، بھنگ پیتا ہو، تارک الصلاۃ ہو، زانی ہو، جواری ہو، بدعتی ہو،مشرک ہو، کافر ہو، زکوٰۃ نہ دیتا ہو، آزادخیال ہوگردن زدنی ہے۔یعنی ایسے ہرآدمی کا قتل اُن برائیوں کا علاج ہے۔خس کم جہاں پاک۔

(ج) ہروہ شخص جوپابندصوم وصلاۃ ہو،تہجدگزارہو،صورت شکل اورلباس شرع کے مطابق رکھتا ہو۔عالم علومِ دینیات ہو، صادق القول ہو، ایفائے وعدہ کرتا ہو۔حقوق اللہ وحقوق عباداداکرتا ہو،لیکن علیؑ کوخلیفہ بلافصل مانتا ہو۔خواہ روحانی طورپریا جسمانی

طور پر یا دونوں طرح وہ زندیق ہے، ملحد ہے، بدعتی ہے اور واجب القتل ہے۔

ہمارے اِس الف، ب اور ج پر ہزاروں فتاویٰ اور مثالیں موجود ہیں۔

اس کے برعکس صوفیاء کرام کا عملدرآمد یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تشدد سے ہرگز اصلاح نہیں ہوسکتی۔ نفرت اور تعصب کا اظہار اور اعلان؛ قلوبِ بنی نوعِ انسان میں نفرت، ضد اور سرتابی وسرکشی کے علاوہ کچھ اور پیدا نہیں کرتا۔ اپنی پاکیزگی وپارسائی کا ڈھنڈورا لوگوں کے کانوں اور دماغوں میں زہر گھول دیتا ہے۔ وہ دین میں زبردستی کو حرام اور مضر سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان پیدائشی مجرم اور گناہ گار نہیں ہے۔ اُسے اُس کا ماحول بلکہ یوں کہو کہ پارسا لوگ اور دین کے ٹھیکیدار مجرم بناتے ہیں۔ اُس کے فطری حقوق پر ڈاکہ ڈال کر اُسے بُرے طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ ہر انسان سے ہمدردی ومحبت کا برتاؤ غیر مشروط طور پر کرتے ہیں۔ وہ شرابیوں، چرسیوں، زانیوں، جواریوں سے بھاگتے نہیں۔ بلکہ وہ اُن برسوں پُرانی عادتوں کو نہایت حسین طریقے پر بتدریج چھڑا دینا چاہتے ہیں۔ وہ زانی کے لئے جائز جنسی تعلق فراہم کرنے میں کوشاں ہوتے ہیں۔ وہ بیس سال پُرانے عادی شرابیوں اور حرام خوروں کو ایسا نسخہ دیتے ہیں کہ رفتہ رفتہ بُری عادتیں چھوٹ جائیں۔ چندروز شراب پینے دیتے ہیں، جوا کھیلنے دیتے ہیں۔ اگر یہ بات انہیں یاد نہ ہوتی کہ اُن کا محبوب رسوؐل چالیس سال ایک اور تیرہ سال ایک کیسے معاشرہ میں رہا، کس طرح رہا۔

کب حرام وحلال کے مسائل بیان کیئے۔کب نماز کا حکم دیا تو وہ بھی فقہا کی طرح ایک دم آسمان سے وحی بن کر نازل ہوتے اور مخلوق خدا کو بجلی کی طرح جلا کر خاک سیاہ کر ڈالتے۔یہی سبب ہے کہ مورخین ومحدثین تک پہلے دَور کے لوگوں نے آنحضرتؐ کے تمام اُن حالات کو نہ پہنچایا جو تعمیر وتخلیق قلوب سے متعلق تھا۔جس میں رحمۃ للعالمین خالص رحمت تھے۔جس دور میں سرکارؐ رِدو عالم شرابیوں، جواریوں اور زانیوں کے مجمعوں اور جلسوں میں بیٹھتے اور اپنے اخلاق حمیدہ وپسندیدہ سے قلوب میں محبت اور اذہان میں عزت وامانت ودیانت کا بیج بو رہے تھے۔اگر وہ اِن مقدس فقہا کی طرح ہوتے تو بو یا بد بو سے بھاگتے۔منہ میں رومال رکھ کر دق کے مریض کی طرح ملتے۔ناک بھوں چڑھا کر اُبکائیاں لیتے ہوئے لعن طعن کرتے۔اور آج جس نفرت انگیز کردار کی بنا پر فقہا ومجتہدین قوم واقوام میں گالی بن کر رہ گئے۔جس طرح اِن سے ہر دردمند دل متنفر ہے وہ حضورؐ بھی اپنے خلاف جذبہ نفرت پیدا کر لیتے مگر وہ نہ فقیہ تھے نہ مجتہد تھے۔وہ تمام نوع انسانی کے رحمدل شفقت سے بھرپور والد تھے آپؐ کو اُن کافروں، ملحدوں، زندیقوں اور سرکشوں کو رقتِ قلب عطا کرنا تھی۔اُنہیں زمین سے اُٹھا کر آسمان تک بلند کرنا تھا۔اُن کو ایسا بنانا تھا کہ حضورؐ کی جوتیوں کے لئے اپنی کھال پیش کریں۔اپنی اولاد قربان کریں اور خوش ہوں جو کثرتِ فقہا وریا کارانِ اُمت کے مقابلے میں اَنا الحق (میں مجسمہ حق ہوں) کہنا نہ چھوڑیں۔اور حق کے تحفظ میں دار

ورسن سے نہ ڈریں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی جماعت تیار نہ کرتے تو ہر منافق مومن کہلاتا رہتا۔ ہر ریاکار سربراہِ مومنین بنتا چلا جاتا۔ ہر نماز پڑھنے والا مقدس اور پارسا بنا رہتا اور اسلام کو قطعاً ختم کر دیا جاتا۔

(ب) یہ طرزِ عمل، یہ پیارا ماحول اور یہ رواداری اور عاقبت اندیشی کا ماحول تھا جو تمام قسم کے لوگوں کو جذب کر رہا تھا۔ اِس ماحول اور اِس کی کارکردگی کو تباہ کرنے کے لئے شرع اور خودساختہ تصورات کی آڑ لی گئی اور کہا گیا کہ:۔

(1) صوفیا کے آس پاس شرابیوں چرسیوں اور بدکاروں کا مجمع رہتا ہے۔

(2) صوفیا کے یہاں گانے بجانے اور ناچنے اور دیگر لہو ولعب کی عام اجازت ہے۔

(3) یہ لوگ نہ نماز کی پابندی کرتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، ڈاڑھی بھی نہیں رکھتے۔ لباس میں شرع کا لحاظ نہیں کرتے۔

(ج) ہم بلاخوف وخطر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تمام الزامات واتہامات بالکل اور سو فیصد صحیح ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا بدکاروں کا انبوہ صوفیائے کرام نے کہیں آسمان سے اُتار لیا تھا؟ کیا اُنہوں نے چھو منتر سے بدکردار انسان تخلیق کر لئے تھے؟ حضور یہ تو پہلے سے دُنیا میں موجود تھے، موجود رہتے چلے آئے اور موجود رہتے چلے جائیں گے۔ آج بھی اُن ہی کی کثرت ہے۔ نزولِ قرآن کے دور میں اور بعد کے ادوار میں بھی وہی زیادہ تھے۔ اور کیا آپ کے نظامِ اجتہاد نے اُن کو ختم کر دیا ہے؟

کیا صدیوں تک کروڑوں انسانوں کو بے دریغ قتل کرتے رہنے کے بعد بھی آپ انہیں ختم کرسکے؟ پھر آپ کو کیا خطرہ تھا؟ جب وہ موجود ہیں ہی، خواہ صوفیا کے حلقوں میں ہوں، یا بادشاہوں کے درباروں میں ہوں۔ اِس سے کیا فرق پیدا ہوا یا ہوسکتا تھا؟ آپ اگر عوام کو دیکھ کر لاحول نہ پڑھتے، پیار ومحبت سے پیش آتے تو وہ آپ سے نہ بھاگتے۔ بداخلاق اور شقی القلب (فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ 3/159) آپ خود ہیں شکوہ اور عتاب صوفیائے کرام پر ہے۔ تم اسلامی تاریخ میں اپنے گروہ کا ایک مشہور فقیہ ایسا پیش نہیں کرسکتے جو تصوف کا دشمن اور اسلام پر فدا ہوگیا ہو۔ اور تم فقہاء کے ذریعہ سے تیار کردہ ایک ایسا شخص نہیں بتاسکتے جو تمہارے نظام پر قربان ہوگیا ہو یا جس نے اُمت محمدؐیہ اور بنی نوع انسان کے لئے قربانئ جان ومال دی ہو۔

قارئین کرام یہ چیلنج قطعاً معمولی سا ہے۔ یعنی ایک خالص فقیہ اور ایک خالص فقہا کی تقلید کرنے والے کا نام پیش کردینا نہایت آسان ہے۔ مگر افسوس! کہ اس طویل ووسیع تاریخ میں جس تاریخ کو خود ان ہی کی سرپرستی حاصل ہے، اس تاریخ میں اگر ایک نام بھی فداکاری کے لئے نہ ملے تو کیا یہ نظام فقاہت واجتہاد وخانہ ساز شریعت کے رہنماؤں کے لئے ڈوب مرنے کی بات نہیں ہے؟ پھر ہم اِسی کتاب میں وہ فقہا ومجتہد پیش کریں گے جو خود شراب پیتے تھے، رشوتیں لیتے تھے، زکوٰۃ نہ دیتے تھے۔ ذرا سے خطرۂ جان پر معافیاں مانگتے تھے، زروجواہر کے انبار جمع کررکھے تھے،

جھوٹی قبریں بنا کر اُن میں سونا چاندی دفن کر رکھا تھا اور واجب وفرض ہوتے ہوئے حج نہ کرتے تھے۔یعنی بدکاری اور بدکاروں کا علاج وتدارک تو کیا کرتے خود بدکردار ودشمنانِ اسلام تھے۔اب سوچیے کہ ایسی صورت میں صوفیائے کرام نے اُن ہی بدکاروں اورفقہا کی درگاہوں سے راندہ وخارج شدہ لوگوں میں کیسے کیسے فداکار اوردین کے جان نثار پیدا کیئے۔اُن سب کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ بدکاروں کوسہارا دیں، شفاعتِ محمدؐ وآل محمدؐ کا یقین دلائیں اللہ ورسول وآل رسول علیہم السلام کی محبت اُن کی قربانیوں اورجانفروشیوں کا احترام پیدا کریں۔یہ محبت اوراحترام رفتہ رفتہ دلوں میں بدکاری سے نفرت پیدا کرتا تھا۔یہ محبت محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے دشمنوں کے خلاف جذبۂ نفرت وبغاوت پیدا کرتی تھی۔اور یہ خطرہ تھا فقہا اورمجتہد کے نظامِ حکومت کو۔اس سے بچنے کا جو علاج کیا گیا وہ شریعت کے نام پر بے تحاشا قتل عام تھا اور یہ خطرہ جہاں شیعہ مجتہدین کے لئے موجود تھا وہیں سُنّی مجتہدین بھی محفوظ نہ تھے۔اس لئے دونوں نے جب اور جہاں اور جس طرح ہوسکا صوفیائے کرام کو تباہ کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔شیعہ مجتہدین جانتے تھے کہ صوفیاء خالصتاً محمدؐ وآل محمدؐ کا پرچار کرتے ہیں اوراہلبیتؑ کے لئے قلوب واذہان کو تیار کرتے ہیں۔مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ صوفیائے کرام کے ایک اشارہ پر اُن کا نظامِ حکومت اور خاطی قیادت نیست ونابود ہوسکتی ہے لہٰذا ہر مجتہد تصوف کا دشمن ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆